







اردو برائے گیارہویں جماعت

سیٹ نمبر ۵

نثر نگاروں پر تبصرے

## فہرست

شمار	عنوان	صفحہ نمبر	نمبر شمار
	سر سید احمد خان	۵-۲	۱ ✓
	خواجہ حسن نظامی	۸-۵	۲
	ڈپٹی نذیر احمد دہلوی	۱۲-۹	۳
	مولانا محمد حسین آزاد	۱۵-۱۳	۴
	پطرس بخاری	۱۸-۱۶	۵ ✓
	علامہ شبلی نعمانی	۲۲-۱۹	۶ ✓
	مولانا الطاف حسین حالی	۲۵-۲۲	۷ ✓



## سر سید احمد خان

### حرف تعارف:

وہ ذات باکمال کہ سید کہیں ہے  
مصلح تھا، مجتہد تھا، زمانہ شناس تھا  
اس نے دیا ہے نثر کو اسلوب نو و سیم  
دنیا یہ جانتی ہے ادب کی اساس تھا

سر سید احمد خان برصغیر پاک و ہند کے ایک عظیم مصلح اور نثر نگار کی حیثیت سے تاریخ میں ایک انوار الیوم قائم رکھتے ہیں۔ آپ نے اپنی تحریریں، انشاء پر داری کے کمالات دکھانے کے بجائے مقصدیت کو فوقیت دی، ذخیرہ الفاظ کی نمائش کے بدلے عام فہم زبان میں اپنے خیالات کا اظہار کیا اور اردو زبان کی رگوں میں تازہ لہو دوڑا کر اسے ترقی یافتہ زبانوں کے ساتھ لاکھڑا کیا۔ اسی وجہ سے سر سید کو جدید اردو نثر نگاری کا بانی کہا جاتا ہے اور حالی نے سر سید کو اردو نثر کا مورث اعلیٰ قرار دیا ہے۔

بقول مہدی آفادی:

”سر سید کے کمالات ادبی کا عدم اعتراف صرف ناشکری ہی نہیں بلکہ تاریخی غلطی بھی ہے۔“

### تصانیف:

- اسباب بغاوت ہند
- تاریخ ضلع بجنور
- آئین اکبری
- آثار الصنادید

- تفسیر القرآن
- خطبات احمدیہ
- رسالہ تہذیب الاخلاق
- مقالات سر سید

## سر سید کی طرزِ تحریر کی خصوصیات

سر سید جیسے بڑے ادیب کے رنگِ تحریر کا احاطہ کچھ آسان نہیں مگر خصوصیات کی ایک دھنک جو دیکھی اور دیکھائی جاسکتی ہے، اس

کے کچھ رنگ یہ ہیں۔

### سادگی و سلاست:

سر سید سے پہلے اردو نثر شاعرانہ فنکاریوں اور تکلفات سے پر تھی۔ لیکن سر سید نے اپنی تحریروں میں سادہ اور فطری انداز اپنایا اور

اردو ادب کو اظہار خیال کا ذریعہ بنایا۔

اپنی سادگی کے بارے میں رطب السان ہیں۔

”جہاں تک ہم سے ہو سکا الفاظ کی سادگی اور بول چال کی صفائی پر کوشش کی۔ مشکل اور پیچیدہ الفاظ کہ جو اس زمانے کی مقفی عبارت کہلاتی ہے ہاتھ اٹھایا۔“

مثلاً ایک جگہ لکھتے ہیں:

”ہم نے بہت سے طالب علموں کو دیکھا ہے کہ انھوں نے کسی قسم کی تعلیم شروع کی مگر جلد ہی اسے چھوڑ دیا۔ انھوں نے

اس بات کا فیصلہ نہیں کیا ہوتا کہ وہ کیا ہیں اور کیا کر سکتے ہیں۔“

### مقصدیت اور اصلاح معاشرہ :

سر سید نے قوم کی زبانوں کو دیکھا تو محسوس کیا کہ قوم کو حسن و عشق کی فضاؤں کی نہیں بلکہ ایک بانگِ جرس کی ضرورت ہے جو انہیں خوابِ غفلت سے بیدار کر سکے۔ یہی وجہ ہے کہ انہوں نے جو کچھ لکھا ہے، کسی نہ کسی مقصد کے تحت لکھا ہے۔

بقول سر سید:

”ایک اچھا ادیب وہی ہے جو کسی مقصد کے تحت لکھے۔“

مثلاً:

”پس اے میرے نوجوان ہم وطنو! اور اے میری قوم کے بچو! اپنی قوم کی بھلائی پر کوشش کرو تاکہ آخری وقت میں اس بڑھے کی طرح نہ پچھتاؤ۔ ہمارا زمانہ تو آخر ہے، اب خدا سے یہ دعا ہے کہ کوئی نوجوان اٹھے اور اپنی قوم کی بھلائی میں کوشش کرے۔ آمین“  
(از گزرا ہوا زمانہ)

### بے ساختگی و بے تکلفی :

سر سید کی تحریروں میں بے ساختگی اور بے تکلفی کا انداز پایا جاتا ہے۔ جملوں میں بے رنگی کی کیفیت ملتی ہے، کیونکہ وہ خیالات کا ایک سمندر پڑھنے والے کو بے اختیارانہ منتقل کرنا چاہتے ہیں۔

بقول حالی:

”سر سید نے جو کچھ لکھا ہے تابانہ لکھا، بے قرارانہ لکھا۔ اور وہ یوں ہی ہے کہ کسی کے گھر میں آگ لگ گئی ہو تو وہ مدد کے لیے لوگوں کو بلائے کہ آؤ اس آگ کو بجھاؤ۔ اس میں الفاظ کی ترتیب اور فقروں کی ترکیب کا خیال نہیں ہوتا۔“

### موضوعات کی جدت :

سر سید کے مضامین میں موضوعات کی جدت پائی جاتی ہے۔ وہ علمی، تحقیقی تحریروں میں نئے نئے موضوعات کو پیش کرتے ہیں کہیں وہ موضوع کے اعتبار سے مبلغ بن جاتے ہیں، کہیں وہ تاریخ دان بن کر لکھتے ہیں اور کہیں کہیں ان کے مضامین میں کہانی کا عنصر بھی ملتا ہے۔

بقول صالحہ کوثر:

”سر سید کے موضوعات کی جدت انہیں سب انشا پر دازوں میں ممتاز مقام عطا کرتی ہے۔“

### جوشِ بیان :

سر سید بڑی پر جوش شخصیت کے مالک تھے۔ ان کی شخصیت کا یہ رنگ ان کی تحریروں میں بھی جھلکتا ہے۔ ان کے نثر پارے شمشیر بے زہار کی کاٹ رکھتے ہیں۔

بقول حالی:

”جس طرح تلوار کی کاٹ در حقیقت ایک باڑ میں نہیں بلکہ سپاہی کے کرخت ہاتھ میں ہے۔ اسی طرح کلام کی تاثیر اس کے نڈر دل اور بے لاگ زبان میں ہے۔“

### استدلال :

سر سید کی پوری تحریک ایک عقلی تحریک تھی۔ اسی لئے انہوں نے اپنی تحریروں میں استدلال سے کام لیا۔ انہوں نے ہر بات کو عقل



کی سہنی پر رکھنے کی کوشش کی ہے۔  
بقول مہدی آبادی :

”سر سید سے معنولات الگ کر لیجے تو کچھ نہیں رہتا۔“

### انگریزی الفاظ:

سر سید کی تحریروں میں انگریزی الفاظ بھی بکثرت پائے جاتے ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ انگریزی کی طبعیت میں لکھتے چلے جاتے ہیں۔

مثلاً:

(الف) ”میکینکھ کالج کے اسٹوڈنٹس میں سے ون پرسنٹ بھی نہیں ہیں جنہیں ہائی سروسز کے قابل سمجھا جائے۔“

(ب) ”تمام سویا نرڈ ملکوں میں ایک عام رواج ہے۔“  
(عزم جزم۔ مقالات سر سید)

### انشائیہ:

اگرچہ سر سید کی نثر میں عام طور پر منطق اور استدلال پایا جاتا ہے لیکن سر سید کو ہی اردو میں انشائیہ نگاری کا بانی کہا جاتا ہے۔ کیوں کہ انہوں نے بعض مضامین ایسے لکھے جن میں تخیل اور جذبات کا دخل ہے۔

### ظرافت:

آپ کی تحریروں میں کہیں کہیں ظرافت و مزاح کی چاشنی اور طنز کی چیمیں پائی جاتی ہے، جو قاری کو بے اختیارانہ خنداں کر دیتی ہے۔

مثلاً:

اپنے چند مخالفین کے بارے میں لکھتے ہیں:

”جن کی بھلائی چاہتا ہے، ان ہی کو دشمن پاتا ہے۔ شہری وحشی بتاتے ہیں، دوست آشنا دیوانہ کہتے ہیں، عالم فاضل کفر کے

فتوؤں کا درد کھاتے ہیں۔ بھائی بند، عزیز و اقارب سمجھاتے ہیں اور پھر یہ شعر پڑھ کر چپ ہو جاتے ہیں۔“

وہ بھلا کس کی بات مانے ہیں

بھائی سید تو کچھ دیوانے ہیں

### اثر و تاثیر:

سر سید اصلاحی رنگ میں اس طرح ڈوب کر لکھتے ہیں کہ ان کی تحریر دلوں میں اترتی چلی جاتی ہے۔ سر سید کی تحریریں اثر و تاثیر میں

ڈوبی ہوئی ہوتی ہیں۔ وہ بعض جگہوں پر جو شیلے انداز میں فقرے لکھتے چلے جاتے ہیں۔

بقول ڈاکٹر احسن فاروقی:

”سر سید کی نثر ایک دائمی تعمیر کی سنگ بنیاد ہے۔ اردو نثر کا انہوں نے ایسا ماڈل پیش

کیا ہے جو ہمیشہ ایک اعلیٰ معیار کی طرح ہر نثر نگار کے سامنے رہے گا۔“

### نقادوں کی آراء:

بقول علامہ شبلی نعمانی:

”اردو زبان سر سید کے احسانات سے کبھی سر نہیں اٹھا سکتی۔“



بقول مولوی عبدالحمید:

”یہ سرسید کا کارنامہ ہے کہ اک صدی کے قلیل عرصے میں اردو کہیں سے کہیں پہنچ گئی۔“

بقول سر ہویدور مورلیس:

”میرا خیال ہے کہ میں ان سے زیادہ بڑے آدمی سے نہیں ملا۔“

بقول ڈاکٹر سید عبداللہ:

”انہوں نے ادب میں ایک نیا پن، ایک ہمہ گیری، ایک مقصد، ایک سنجیدگی، ایک خاص قسم کی معقولیت پیدا کی، جس کے سبب اب ادب کو کوئی بے کاروں کا مشغلہ نہیں کہہ سکتا۔“

بقول ڈاکٹر حشمت اللہ:

”سرسید ہی کا فیض ہے کہ آج اردو ادب اس مقام پر کھڑا ہے۔“

### نتیجہ فکر:

گزشتہ ڈیڑھ سو برس کے عرصے میں تمام نشیب و فراز میں سرسید کی حیثیت ایک روشن منارے کی سی ہے، جس کی نیا پاشیوں سے آج بھی اردو ادب کے در و بام روشن و منور ہیں۔ سرسید صرف ایک شخصیت ہی نہیں بلکہ ایک عہد کا نام ہے۔ دبستان سرسید اردو کا وہ حسین باب ہے کہ جس کے بغیر اردو زبان و ادب کی تاریخ مکمل نہیں ہو سکتی ہے۔

ہزاروں سال نرمس لہنی بے نوری پہ روتی ہے

بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ و رہیدا

## خواجہ حسن نظامی

بہت منفرد جس نے انداز پائے

زباں کے چمن میں حسین گل کھلائے

وہی جس نے حکمت کے موتی لٹائے

وہی جس نے عبرت کے قے سنائے

### مختصر حالات زندگی:

خواجہ حسن نظامی دہلی میں پیدا ہوئے۔ آپ کا اصل نام علی حسن ہے۔ آپ حضرت بابا فرید الدین گنج شکر کے حقیقی نواسے اور حضرت نظام الدین اولیاء کے بھانجے اور منہ بولے بیٹے تھے۔ اس نسبت کی وجہ سے حسن نظامی کے نام سے مشہور ہوئے۔ پہلے ناظرہ قرآن پڑھا پھر فارسی کی چند معمولی کتابیں، اس کے بعد صرف و نحو پڑھی اور دینی علوم میں دسترس حاصل کی۔

خواجہ صاحب کی ادبی زندگی کا آغاز تیرہ سال کی عمر میں ہوا جب کسی نے انھیں ہمدرد اخبار پڑھنے کو دیا، جس کو پڑھ کر مضمون نگاری شروع کی۔ چنانچہ سب سے پہلا مضمون ’انڈیا کی نازک حالت‘ کے عنوان سے انڈیا گزٹ میں شائع ہوا۔ ادیب ہونے کے ساتھ ساتھ آپ ایک

صاحب دل صوفی بھی تھے۔ روحانی معاملات میں اتنی ترقی کی کہ تین لاکھ مریدوں کے مرشد کامل بنے۔  
بقول ڈاکٹر ابو الخیر کشفی:

”اپنے بچپن میں خواجہ صاحب نے ملکہ وکلوریہ کی تصویر دیکھ کر اپنی والدہ سے کہا تھا ”اماں میری صورت کا سکہ بنو ادو“۔  
ان کی والدہ تو ان کی صورت کا سکہ نہ بنوا سکیں مگر خواجہ صاحب نے اردو زبان اور ادب کی دنیا میں اپنا سکہ  
ضرور چلا دیا جس کی قیمت کبھی نہیں گرے گی۔“

#### مشہور تصانیف:

- سپارہ دل
- قبروں کے غیبی فرشتے
- اولاد کی شادی
- پنکھیاں
- غدر دہلی کے افسانے
- بیوی کی تعلیم
- فلسفی کا مجرب علاج
- بیگمات کے آنسو
- سفر نامہ مصر و شام و حجاز

#### طرز تحریر کی خصوصیات

#### سادگی و روانی:

خواجہ صاحب کے طرز تحریر کی سب سے نمایاں خصوصیت صاف سادہ اور رواں زبان ہے۔ خواجہ صاحب عربی کے بھاری بھر کم اور  
فارسی کے اجنبی الفاظ کا سہارا لے کر اپنی علمیت کا رعب نہیں جماتے بلکہ بہت سادگی اور بے ساختگی سے واقعات بیان کرتے چلے جاتے ہیں۔  
بقول رام بابو سکینہ:

”خواجہ صاحب کی تحریریں نہایت سادہ سلیس اور دلکش ہوتی ہیں۔“

مثلاً:

”وہ بڑا کٹھن وقت تھا جنگل بیابان، دھوپ کی شدت، ایک میں ایک میری ناتواں آنکھوں سے محتاج  
ماں، چاروں طرف سناٹا اور دشمنوں کا ڈر، راستے کی بے خبری اور زخموں کی دکھن سونے پے سہاگہ۔  
والدہ نے کہا بیٹا چلو ہمت کر کے آگے بڑھو۔“

#### سوز و گداز / المیہ انداز بیان:

خواجہ صاحب کی تحریروں میں بڑا سوز و گداز پایا جاتا ہے۔ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ خواجہ صاحب نے خون دل میں انگلیاں ڈبو کر لکھا

ہو۔

ایک جگہ خود قلمطراز ہیں کہ:

”میں زیادہ تر غم و درد کے مضامین میں اپنے دل کو قائل پاتا ہوں۔“

مثلاً:

”کمیخت کو سنتے ہی اتنا غصہ آیا کہ آپے سے باہر ہو گیا اور بڑی بے طری کے بن باپ  
کی دکھیاہچی کے ایک تمانچہ مارا۔ بانو بلبل گئی وہ کبھی پھول کی چھڑی سے نہٹی تھی۔“  
(از شہزادی کی ہنٹا)



### جدت طرازی:

خواجہ صاحب کی طرز تحریر کی مقبولیت میں ان کی جدت طرازی کا بڑا ہاتھ ہے۔ خصوصاً ان کے موضوعات و عنوانات بہت انوکھے اور اچھوتے ہوتے ہیں۔ اینٹ پونے کا وصال، چھپر کا املا، جنگ، جھینگر کا جنازہ، وغیرہ۔ وہ موضوعات کے چناؤ میں جدت پسندی کا دامن کبھی ہاتھ سے نہیں چھوڑتے۔

بقول سید اعجاز حسین:

”خواجہ صاحب نے زیادہ تر ایسے مضامین پر قلم اٹھایا ہے جن پر ابھی تک شاید کسی نے کچھ نہ لکھا تھا۔“

مثلاً:

”یہ میاں گلاب کس مرض کی دوا نہیں، پیٹ میں درد ہو تو کھٹند کھلاؤ، ہیضہ ہو جائے تو گلاب پیلاؤ اور مر جاؤ تو قبر پر چڑھاؤ۔“  
(از گلاب تمہارا، نگر ہمارا)

### فطری جذبات نگاری:

مصور فطرت خواجہ حسن نظامی نے انسانی جذبات و احساسات کی مکمل ترجمانی کی ہے۔ انکے ہاں جذبات نگاری خون کے آنسوؤں کا مرقع نظر آتی ہے۔

بقول مولوی عبدالحق:

”خواجہ صاحب کی تحریر پڑھو کہ زبان کے مزے کے ساتھ دلی کیفیات اور جذبات کا لطف دیتی ہیں۔“

مثلاً:

”بابائیں آپ کی گل بانو ہوں، دیکھو اکیلی ہوں۔ مجھے بخار ہے۔ میری پسلیوں میں شرت کا درد ہو رہا ہے۔ مجھے سردی لگ رہی ہے۔ میری اماں مجھ سے پھڑکی۔ میں اینٹ پر سر رکھے لیٹی ہوں، میرے بدن میں کنکر چھ رہے ہیں۔ بابا اٹھو کب تک سو گے؟“

### شوخی و شگفتگی:

خواجہ صاحب انقلاب زمانہ کے درد مند راوی ہیں، مگر انکی تحریروں میں شوخی اور شگفتگی کا رنگ بھی نمایاں ہے۔  
ڈاکٹر خلیل انجم کی رائے میں:

”خواجہ صاحب اپنی تحریروں میں شوخی اور ظرافت سے بھی کام لیتے ہیں جس سے ان کی عبارت اور اسلوب کی شگفتگی بڑھ جاتی ہے۔“

مثلاً:

”یہ نئے فیشن والے مجھ کو زور سے ڈکار نہیں لینے دیتے کہتے ہیں کہ ڈکار آئے تو ہونٹوں کو بھیج لو اور ناک کے نتھنوں کے راستے اس چپ چاپ اڑا دو، با آواز ڈکار لینا بد تمیزی ہے۔“  
(از بیماری ڈکار)

### گہرا مشاہدہ:

خواجہ صاحب کا مشاہدہ بہت تیز ہے عام انسان جن چیزوں کو غور کے قابل نہیں سمجھتا وہ اس کا باغور مطالعہ کرتے ہیں اور کوئی نہ کوئی نتیجہ اخذ کر لیتے ہیں۔



”خواجہ صاحب بر سوسوں پر گھر لکھتے ہیں۔ معمولی سرخس میں اس کی ایک چوبلیک ہوتی ہے۔“

مثلاً:

”بھینٹ سید چادو غریب تھا غلوں کی طرح اور اعلیٰ قدرہ لکھتے تھے ان کی کتابوں کا ہر حرف ہاتھ سے لکھا گیا، کوئی کسی ۱۲۰ روپے کے پتھر کی طرح لکھتا تھا۔ پھر اس کا زبردست سہارا ہوتا تھا۔“  
(از بھنگا جی)

### منظر نگاری:

خواجہ صاحب منظر نگاری میں غضب کا کمال رکھتے ہیں۔ وہ فطرت کی زبانی طبع کی رنگ آمیزی کرتے ہیں۔ ان کی فطرت سے منظر کشی کرتے ہیں کہ تصور کا ہر گوشہ عیاں ہو جاتا ہے۔

مثلاً:

”ایک کونے میں ایک حسین دوشیزا بیٹھا ہو اکہل اور اسے رات کے وقت ہائے گری کی آواز کی سہری کا مہینہ تھا، دھواں دار مینہ برس رہا تھا تیز ہوا کے جھونکوں کی بوچھاڑ اس جگہ کو تر کر رہی تھی۔“  
(از بھنگا جی کے انشوا)

### اختصار پسندی:

خواجہ صاحب کے طرزِ تحریر کی ایک خصوصیت اختصار پسندی ہے۔ وہ بہت زیادہ تفصیل پسند واقع نہیں ہوئے بلکہ انہوں نے اپنی تحریروں میں ایجاز و اختصار کو جگہ دی۔

مثلاً:

”سامنے کھیت تھے جس میں پکی ہوئی تیار کھیتی کھڑی تھی۔ ہم لوگ اس کے اندر چھپ گئے۔ قالوں نے خبر نہیں دیکھ لیا تھا۔ یانا گہائی طور پر گولی چلائی جو بھی ہوا ہو، ایک گولی کھیت میں لگی اور کھیت میں آگ بھڑک اٹھی اور تمام کھیت جلنے لگا۔ ہم لوگ نکل کر بھاگے مگر ہائے کیسی مصیبت تھی کہ بھاگنا بھی نہیں آتا تھا۔“

### ماصل گفتگو:

بقول علامہ محمد اقبال:

”اگر میں خواجہ صاحب جیسی اردو لکھنے پر قادر ہوتا تو کبھی شاعری کو اتمہا خیال کا ذریعہ نہ بناتا۔“  
المختصر یہ کہ خواجہ حسن نظامی ایک باکمال انشاء پرداز اور لازوال افسانہ نویس تھے۔ انکی سب سے بڑی خوبی یہ تھی کہ وہ ہنسائے ہیں لیکن مسخرے نہیں لگتے، زلاتے ہیں لیکن مرثیہ گو نہیں لگتے، تعلیم دیتے ہیں لیکن مدرس نہیں لگتے، مذہب کی بات کرتے ہیں لیکن متعصب نہیں بنے۔ انکی تحریروں میں غلوں و محبت کی چاشنی ہے۔ ان کا منفرد لب و لہجہ اور فطری اندازِ تحریر کسی کو نصیب نہ ہو سکا۔

بقول عبدالماجد آبادی:

”خواجہ صاحب جیسا البیلا انشاء پرداز نہ کوئی ان کے زمانے میں پیدا ہو سکا اور نہ آج تک ہو سکا۔“



## ڈپٹی نذیر احمد دہلوی

حرف آغاز:

”زمانہ کتنی ہی جلدی کرے اس طم کے پتے کو پھر پھولیں کر سکتا، جس کا کوئی روگنا پھل نہیں۔“

(بقول مہدی آبادی)

ڈپٹی نذیر احمد کا شمار اردو ادب کے عناصرِ فہم میں کیا جاتا ہے۔ آپ اردو ادب کے پہلے ناول نگار تسلیم کئے جاتے ہیں۔ گیسٹے اردو کو سنوارنے اور سچانے میں انہوں نے شہلی، صالی اور سرسید کے شانہ بشانہ حصہ لیا اور اپنی قلمی توانائی اصلاحِ معاشرہ کے لیے صرف کر دی۔

حالاتِ زندگی:

ڈپٹی نذیر احمد دہلی میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم اپنے والد سے حاصل کی اور پھر دہلی کالج سے پڑھ کر عملی زندگی میں قدم رکھا۔ آپ سرکاری محکمہ میں ڈپٹی کلینکر تھے اسی حوالے سے آپ ادبی حلقوں میں ڈپٹی صاحب یا ڈپٹی نذیر کے نام سے شہرت رکھتے ہیں۔ انگریز سرکار نے آپ کو عیسائی اعلیٰ کا خطاب دیا۔ ڈپٹی کلینکر مولوی نذیر احمد دہلوی ۱۹۱۲ء میں ایک کامیاب زندگی گزارنے کے بعد انتقال کر گئے۔

چند اہم تصانیف:

ڈپٹی نذیر احمد کے چند مشہور ناول اور تصانیف کے نام درج ذیل ہیں:

- بنات النفس
- توبۃ النصوح
- رویائے صادقہ
- مراقبہ اعراس
- فسانہ بختا
- ابن الوقت

## طرزِ تحریر کی خصوصیات

عوامی زبان:

نذیر احمد نے سیدھے سادے الفاظ اور آسان لہجے میں اپنی بات کو اپنے مخاطب کے ذہن میں منتقل کرنے کی کوشش کی ہے۔ ان کی تحریروں میں دہلی کی نکسالی زبان رچی بسی ہے جو علمی بھی ہے اور عوامی بھی۔

بقول احسن فاروقی:

”نذیر فنِ برائے مقصد کے قائل تھے۔ وہ اپنی بات قاری تک روزمرہ کی عوامی زبان میں پہنچانے میں ملکہ رکھتے تھے۔“

مثلاً:

ما عظمت میں عوامی زبان کا چٹکارہ دیکھئے۔

”بس اب آپ خیر سے بدھارے تم ایسے نمک حرام بے ایمان آدمی کا ہمارے گھر میں کچھ کام نہیں۔“

مقصدیت و اصلاحِ معاشرہ:

نذیر احمد بھی اپنے دور کے دوسرے ادیبوں کی طرح مقصدیت کے پیداوار تھے۔ یہ ایک ایسا دور تھا جس میں ہر ادیب قوم کی اصلاح کی خاطر کام کرتا تھا۔ نذیر احمد نے بھی اپنے قصوں سے دین داری، خدا پرستی اور اصلاحِ معاشرت کا کام لیا، وہ قصہ نویس سے زیادہ واعظ تھے۔



بقول احسن فاروقی:

”نذیر احمد سرسید کے دور کی ایک اہم اور ممتاز شخصیت تھے۔ انھوں نے اصلاح معاشرت کو اپنی تحریروں کا بنیادی مقصد بنایا۔“

مثلاً:

”اس بے ترسی بچی کو روٹا دیکھ کر میرا دل بھر آیا اور میں نے اپنے دل میں سوچا کہ یا اللہ! اس وقت اسکی کچھ مدد نہیں ہو سکتی۔“

(بچی بھردی)

محاورات کا استعمال:

نذیر احمد محاورات کا استعمال بھی بڑی سلیقہ مندی سے کرتے تھے۔ محاورات کے بر محل استعمال سے ان کی زبان میں تاثیر پیدا ہو سکتی۔  
بقول فرحت اللہ بیگ:

”ان کا یہ شوق کچھ حد سے بڑھا ہوا ہے کہ بعض اوقات وہ محاورات کا استعمال نہیں کرتے زبردستی ٹھونستے ہیں۔“

مثلاً:

امہات الامہ آنحضرت ﷺ کی ہجرت کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

”تقویت، حمایت اور حفاظت نہ ہوتی تو رسالت کا تیل ایک ہی منڈھنے چڑھنے والی نہ تھی۔ مگر مصداقت کے بھروسے پر پیغمبر صاحب ﷺ تیرہ برس تک دشمنوں کے نرغے میں چھاتی پر پڑے مونگ دلوایا، یہاں تک کہ آخر کو پائے ثبات جگہ سے اکھڑ گئے اور بھاگ کر مدینہ پہنچ گئے۔“

حقیقت نگاری:

نذیر صاحب نے اپنے ناولوں میں مسلمانوں کی حقیقی زندگی کی کچی تصویر پیش کی۔ ان کے مضامین میں زندگی کا ایسا نقشہ کھینچا گیا ہے کہ جیتے جاگتے کردار معلوم ہوتے ہیں۔

مثلاً:

مرآة العروس میں لکھتے ہیں:

”اصغری نے محمودہ کی بات سے خوب کام نکالا، اول تو تمام گھر بلکہ تمام کنبے اور محلے کا حال محمودہ سے پوچھ لیا۔ شروع شروع میں جو بات شرم و لحاظ کے سبب نہ کہہ سکتی محمودہ کے ذریعے سے کہا کرتی۔“

خطیبانہ لہجہ:

نذیر احمد کی تحریریں ان کی مقصدیت کے تابع تھیں اسی جوش نے انہیں تحریر میں لاشعوری پر خطیبانہ انداز اختیار کرادیا۔  
ڈاکٹر سید عبداللہ کہتے ہیں:

”تند و تیز اور پُر شور آہنگ ان کی خطابت کی یاد دلاتا ہے۔“

مثلاً:

”دین خبر دیتا ہے کہ دنیا کے سوا ایک اور جہاں ہے۔ یہ ظاہر ہے وہ غائب۔ یہ فانی ہے وہ باقی۔ یہ مجاہد ہے وہ حقیقت۔ یہ امتحان ہے وہ نتیجہ۔ یہ سفر ہے وہ منزل مقصود۔ یہ خواب ہے وہ تعبیر۔“

### کردار نگاری:

نذیر احمد نے اپنی تحریروں میں جنوں، بھوتوں اور پریوں کی بجائے انسانی کردار پیش کئے ان کے کردار یا تو فرشتہ صفت ہوتے ہیں یا شیطانانہ جو ان کے مالک ان کا سب سے بڑا کمال بھی بنی ہے کہ انہوں نے کہانی میں حقیقت کا رنگ بھرا۔

مثلاً:

ان کے بعض ناولوں کے کردار یہ ہیں:

(الف) "توبہ النصوص" میں نصوص اور حضرت بی

(ب) "مراۃ العروس" میں اکبری اور اصغری

(ج) "فسانہ مجنونا" میں جتنا اور غیرت بیگم

### جزئیات نگاری:

نذیر احمد کو جزئیات نگاری پر ملکہ حاصل ہے۔ ان کا مشاہدہ وسیع ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جب وہ کسی چیز کو بیان کرتے تو اس کی تفصیل میں کھو جاتے۔

بقول مہدی آبادی:

"اس شخص کی وسعت نظر تو یہ صلاحیت رکھتی ہے کہ یہ اسلام کی قاموس لکھے۔"

مثلاً:

"تو، بچی، پانی پینے کا کٹورا، نہیں معلوم کن وقتوں کی ہلکی دوپٹیلیاں، بس یہی اس گھر کی کل کائنات تھی۔"

### شوخی و طرافت:

نذیر احمد ایک شگفتہ طبیعت آدمی تھے یہی شگفتگی ان کی تحریروں میں جا بجا نظر آتی ہے۔ لیکن حد اعتدال میں رہتی ہے۔ اپنی دنیا کی خوش قسمتی ہے کہ نذیر احمد نے اپنے ناولوں میں مزاحیہ کردار بھی شامل کئے ورنہ یہ کتابیں سراسر وعظ بن کر رہ جاتیں۔

فرحت اللہ بیگ کہتے ہیں:

"مولوی صاحب کی کوئی بات ایسی نہ تھی جس میں خوشی مذاقی کا پہلو نہ ہو، کوئی قصہ نہ تھا

جس میں طرافت کوٹ کوٹ کر نہ بھری ہو۔"

### عربی اور فارسی الفاظ کا استعمال:

یوں تو نذیر احمد کی زبان بہت زیادہ عام فہم، عوامی اور سلیس ہے مگر ان کو جہاں کہیں بھی موقع ملا ہے انہوں نے عربی و فارسی الفاظ استعمال کئے ہیں۔

بقول مرزا فرحت اللہ بیگ:

"نذیر صرف عربی اور فارسی الفاظ ہی نہیں استعمال کرتے بلکہ پہلا کھڑے کر دیتے ہیں۔"

مثلاً:

(الف) یک نہ شد دوشد

(ب) قطب از جانی

(ج) گویم مشکل و گرد نہ گویم مشکل



## مسلم معاشرت کی عکاسی:

نذیر احمد کے ناولوں میں ہندستان کے مسلم گھرانوں کے رسم و رواج اور معاشرت کی عکاسی کی گئی ہے۔ انہوں نے ناولوں میں مسلمانوں کی زندگی، کھانے و طعام اور افکار و نظریات کو بڑی کامیابی سے پیش کیا ہے۔ ان کی تحریر زوال پزیر مسلم سماج کی ادنیٰ تہذیب کا عکاس ہے۔

پروفیسر آل احمد سرور کہتے ہیں:

”اسلامی معاشرے کی جو خوبصورت تصویر نذیر احمد نے کھینچی ہے وہ ایسی ہے کہ آنکھوں کے سامنے نقشہ بھر جاتا ہے۔“

## نقادوں کی رائے:

نقادوں نے ڈبئی نذیر احمد کی تحریروں پر اور ان کے کردار سے متاثر ہو کر ان کے بارے میں اپنی اپنی رائے پیش کی۔

پروفیسر عبداللہ:

”میرسید نے جو کام تہذیب الاخلاق سے لیا، ڈبئی نذیر احمد نے وہی کام اپنے ناولوں سے کیا۔“

پروفیسر عبداللہ کا نظریہ یہ ہے کہ:

”نذیر احمد ہی اردو کا وہ انشا پرداز ہے جس کی باتیں بڑی زور دار ہوتی ہیں۔“

علی عباس حسینی لکھتے ہیں:

”نذیر احمد کو عورتوں کے مکالموں کا بادشاہ کہا جاتا ہے۔“

پروفیسر ابوللیث صدیقی کہتے ہیں:

”نذیر احمد کو بلاشبہ جدید اردو ناول کا پیش رو قرار دینا چاہئے۔“

## حاصل گفتگو:

ڈبئی نذیر احمد کی تحریروں نے مسلمانوں کی اصلاح میں اہم کردار ادا کیا۔ ان کے ناولوں کو کوئی ناول نہیں مانتا تو زمانے میں مگر ناول نگاری کی تاریخ ان کو خراج تحسین پیش کئے بغیر ایک قدم آگے نہیں بڑھ سکتی۔ ان کی تحریریں آج بھی اپنی قدر و منزلت رکھتی ہیں۔

پروفیسر شاعر:

ہزاروں سال نرگس اپنی بے نوری پر روتی ہے

بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ و پیدا

DADA OFFICIAL

## مولانا محمد حسین آزاد

تمہید:

بھلا رتبہ آزاد کا کس نے پایا؟  
تخیل کا جو بادشاہ کہلایا  
وہی جس نے لفظوں کا جادو چکایا  
وہی جس نے اردو کو دلہن بنایا

مولانا محمد حسین آزاد ایک ادیب ہی نہیں اردو ادب کا ایک پورا دور ہیں۔ آزاد ایک صاحب طرز انشاء پرداز اور عناصرِ فہم میں سب سے منفرد ہیں۔ آپ سرسید کی اصلاحی تحریک سے بہت متاثر تھے۔ آپ نے اردو ادب میں تخیل نگاری کے فن کو متعارف کرایا۔ اسی لیے آپ کو تخیل نگاری کا بانی کہا جاتا ہے۔

### حیاتِ آزاد پر ایک نظر:

محمد حسین آزاد دہلی میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والد مولوی محمد باقر عالم فاضل اور برصغیر میں اردو صحافت کے بانی اور علم دوست انسان تھے، جنہیں حق گوئی کی وجہ سے باغی قرار دے کر سولی پر لٹکا دیا گیا۔ خود آپ کی جان بھی خطرے میں تھی استاد کا دیوان بغل میں دبا کر دہلی چھوڑ کر لاہور آ گئے۔ یہاں آزاد نے حیاتِ نوع کا آغاز کیا اور قلم سے کاغذ کے سادہ ٹکڑوں کو حیاتِ دوام بخشے گئے۔ ۱۹۱۴ء میں یہ ستارہ لاہور کی خاک میں ہمیشہ کے لئے چھپ گیا۔

### مشہور تصانیف:

• آپ حیات  
• دربارِ اکبری

• نیریک خیال  
• قصص الہند

## طرزِ آزاد کے خاص رنگ

### ایک صاحب طرز انشاء پرداز:

آقائے اردو محمد حسین آزاد ایک صاحب طرز انشاء پرداز ہیں۔ ان کا انداز تجرباتی نہیں بلکہ تخیلی ہے۔ ان کی تحریروں میں تخیل کا بادل چھایا ہوا ہے۔ اسی وصف نے ان کے اسلوب کو ایک منفرد مقام بخشا اور انہیں لاشعری انشاء پرداز بنا دیا۔ بقول ڈاکٹر ابولہیث صدیقی:

”اگر انشاء پرداز سے مراد رنگین بیانی، زورِ ادا، تخیل کی پرواز اور نثر میں شاعری ہو تو بلاشبہ آزاد اردو کے بہت ہی بڑے انشاء پرداز ہیں۔“

مثلاً:

”غفلت نے جب آنکھ کھولی اور ہمت نے اپنے قدم پیچھے ہٹا لیے تو حوصلہ مندی نے جمائی لی۔“

### شاعرانہ اندازِ نثر:

آزاد نے نثر میں شاعری کی اور لفظوں کا جادو چکایا۔ حسن بیان اور خیال آفرینی نے ان کی نثر میں شعر کی سی لطافت پیدا کر دی ہے۔



بقول ڈاکٹر اسلم فرخی:

”آزاد کا اسلوب شعریت میں ڈوبا ہوا ہے وہ عموماً ایسے الفاظ کا انتخاب کرتے ہیں جو نثر سے زیادہ نظم کے لئے موزوں ہوتے ہیں۔“

مثلاً:

”اگر اردو بھاشا میں استعارہ و تشبیہ کا رنگ اتنا آتا، جتنا چہرے پر اٹن کا رنگ یا آنکھوں میں سرمہ تو خوشنما کی اور پینائی دونوں کو مفید تھا۔“

### قدرتِ زبان اور ذخیرہ الفاظ:

آزاد کو زبان و بیان پے جو قدرت حاصل ہے اس میں ان کا کوئی ہسر نہیں ہے۔ وہ الفاظ کو صحیح اور بر محل استعمال کرنے کا ہنر جانتے ہیں۔ یہ ہنر آپ کی نثر کو چار چاند لگا دیتا ہے۔

بقول ڈاکٹر ابولیت صدیقی:

”جو انشاء پر دازی کی قوت، زبان پر قدرت اور الفاظ کا وسیع ذخیرہ ان کے پاس تھا وہ کم اوگوں کو نصیب ہوا ہو گا۔“

مثلاً:

”اے نیکی اور نیک ذاتی کے خوبیوں اور محبوبیوں کے زیور سے آراستی دیکھ کر سب نے صدقِ دل سے تعریف کی، عزتِ دوام کا تاجِ مرصع سر پر رکھا گیا اور حکم ہوا کہ جادوِ آدم میں اپنا نور پھیلاؤ۔“

### خودکلامی:

شیکسپیر کی طرح آزاد بھی صورتحال کا تاثر تیز کرنے کے لئے خودکلامی کا سہارا لیتے ہیں آزاد اکثر خود کو ضمیرِ تکلم کی جگہ فرض کر لیتے جس سے بڑی دلچسپی پیدا ہو جاتی ہے۔

مثلاً:

”ایک زمانہ تھا کہ آزاد کو سب کچھ یاد تھا افسوس کہ نہ وہ رہے نہ بیاض رہی۔“

### تمثیل نگاری:

آزاد کی تحریر کی ایک بڑی خوبی تمثیل نگاری بھی ہے۔ یعنی وہ کسی حالت یا چیز کو انسانوں کی طرح مجسم قرار دے کر اس کی صفات و حرکات بیان کرتے ہیں۔

بقول الطاف حسین حالی:

”نیرنگ خیال تمثیل نگاری کا ایک اعلیٰ نمونہ ہے اس دور میں ہی نہیں بلکہ آنے والے دور میں بھی اس کی پیروی کی جائے گی۔“

### طنز و ظرافت:

آزاد کی تحریروں کا خاص وصف شوخی و ظرافت، طنز و مزاح کا عنصر ہے۔ انھوں نے تحقیق و تنقید کے میدان میں بھی ظرافت کے پھول کھلائے ان کے طنز میں نثریت کی چھجن نہیں جبکہ شوخی و ظرافت نے ان کی زبان میں رنگینی اور بیان میں جادو کا اثر پیدا کر دیا ہے۔

بقول ڈاکٹر محی الدین زور:

”آزاد خوش گوئی کے لئے پیدا ہوئے تھے اور یہ خوش گوئی ان کی تحریروں

میں قوس و قزاح کے رنگ بکھر دیتی ہے۔“



مثلاً: ”یہ دونوں زبانیں ایک زبان سے نکلی ہوئی ہیں جس طرح ایک ماں باپ کی دو بیٹیاں جدا ہو گئی ہو۔“

### مرقع نگاری / منظر نگاری:

تصویر کو چلتے پھرتے دیکھنا اور تخیلات کو تقریر کے ذہب میں لانے میں آزاد کو کمال حاصل ہے۔ ان کی منظر نگاری قاری کو ایک تخیلاتی دنیا میں سمجھ لاتی ہے۔  
ڈاکٹر سید عبداللہ آزاد کی مرقع نگاری کی تعریف کرتے ہوئے کہتے ہیں:  
”آزاد بلحاظ مرقع نگار اردو کے اولین آدمی ہیں اور ممتاز ترین بھی۔“

مثلاً: ”اندھیری رات میں سنان جنگل سائیں سائیں کرتا تھا اور گھوڑے سے لے کر اونٹ تک سانس نہ لیتا تھا۔“

### تشبیہات و استعارات:

آزاد جگہ جگہ نادر استعارات اور لطیف تشبیہات کا استعمال اپنی تحریروں میں کرتے ہیں جو تحریر کے حسن کو دو بالا کر دیتا ہے۔  
بقول ڈاکٹر اعجاز حسین:  
”جانب تشبیہ اور استعارے کی گل کاری عبارت میں حسن پیدا کر دیتی ہے  
کہ بڑھتے چلے جایے طبیعت سیر ہی نہیں ہوتی۔“

مثلاً: ”قدر دانی نے ان کے کلام کو جواہر اور موتیوں کی نگاہوں سے دیکھا، اقبال مندوں کو دربار میں انعام پر وازی بھی امیدوار آئی۔“

### جزئیات نگاری:

جزئیات نگاری میں آزاد کو ملکہ حاصل ہے وہ کسی واقعے کا نقشہ کھینچتے وقت اس کی جزئیات اور تفصیلات میں کھو جاتے ہیں۔ جس سے واقعے کا پورا نقشہ قاری کی نظروں میں گھومنے لگتا ہے۔

مثلاً: ”عالم سفلی میں دروغ دیو زاد ایک سلاخے تابکار تھا کہ حق تیرہ اس کا باپ تھا اور ہوس ہو اپرست اس کی ماں تھی۔“  
(بچ اور جھوٹ کا رزم نامہ)

### حرف آخر:

آزاد اپنی ذات میں ایک انجمن تھے۔ وہ ایک ایسے چراغ کی مانند تھے جس کی روشنی کی کوئی ایک سمت نہیں ہوتی۔ آزاد کی ہر کتاب ایک عظیم الشان تاریخی عبارت بلکہ اردو کا تاج محل ہے۔ آپ کا طرز اتنا بلند ہے کہ اس کی نقل کرنا بھی محال ہے۔  
آپ کی وفات پر الطاف حسین حالی کہتے ہیں کہ

تاریخ وقات اسکی جو پوچھے کوئی حالی

کہہ دو کہ ہوا خاتمہ اردو کے ادب کا



## احمد شاہ پطرس بخاری

### حرف تعارف:

پطرس بخاری اردو مزاج نگاری کے دنیا میں ایک بلند اور ممتاز مقام کے حامل ہیں۔ پطرس نے مزاج نگاری میں ایک نیا اسلوب تلاش کر کے مزاج نگاری کے میدان میں ایک نئے منجھنگ فکر کی بنیاد ڈالی۔ پطرس نے بہت کم لکھا ہے اور انکی شہرت کا انحصار چند ایک مضامین پر ہے جو مضامین پطرس کے نام سے جانے جاتے ہیں۔

بقول آل احمد سرور:

”پطرس نے بہت کم مضامین لکھے مگر پھر بھی وہ چوٹی کے مزاج نگاروں میں سے ہیں۔“

### مشہور مضامین:

- مرحوم کی یاد میں
- میں ایک میاں ہوں
- سویرے جو کل آنکھ میری کھلی
- سینما کا شوق
- ہاسٹل میں پڑھنا
- اردو کی آخری کتاب
- ٹیبل اور میں
- لاہور کا جغرافیہ

## طرز نگارش کی خصوصیات

### سادگی و روانی:

پطرس کے مضامین سادگی اور سلاست کی جان ہیں۔ وہ لفظی ہیر پھیر سے کام نہیں لیتے مگر پھر بھی لطافتِ بیاں اپنے عروج پر نظر آتی ہے۔ یوں معلوم ہوتا ہے کہ وہ اپنے قارئین سے بے تکلف باتیں کر رہے ہوں۔

مثلاً:

”مجھے اچھی طرح معلوم ہے۔ میں پرچے میں کیا لکھ کے آیا ہوں۔ اچھی طرح جانتا ہوں کہ ممتحن لوگ اگر نشت کی حالت میں پرچے نہ دیکھیں تو میرا پاس ہونا قطعاً ناممکن ہے۔“

(ہاسٹل میں پڑھنا)

### واقعہ نگاری:

واقعہ نگاری پطرس کے مزاج کی نمایاں خصوصیت ہے ایک نقاد کے بقول وہ واقعے کا تار و پود کچھ ایسے فطری انداز میں بنتے ہیں اور واقعے کے نتائج اتنے غیر متوقع دکھاتے ہیں کہ قاری کے لئے ہنسی ضبط کرنا محال ہو جاتا ہے۔

مثلاً:

”دس قدم بھی چلنے نہ پایا تھا کہ اب کی بار ہینڈل یک لخت نیچے ہو گیا اور میرا تمام جسم آگے کو جھک گیا۔ تمام بوجھ دونوں ہاتھوں پر تھا جو ہینڈل پر رکھے تھے آپ میری حالت تصور میں لائینگے تو آپکو معلوم ہو گا کہ میں دور سے ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے کوئی عورت آنا گوندھ رہی ہے۔“

(مرحوم کی یاد میں)

### منظر کشی:

لفظوں سے منظر کشی کرنے میں پطرس کو کمال حاصل ہے وہ ایسے الفاظ منتخب کرتے اور جملوں کو اس طرح ترتیب دیتے ہیں کہ آنکھوں کے سامنے منظر کی ہو بہو تصویر کھینچ جاتی ہے۔

مثلاً: ”شام کے وقت میل کچھ پھول لیکر آئی۔ خیریت پوچھی، دو اپلائی، مانتے پر ہاتھ رکھا، میرے آنسو پپ گرنے لگے۔“  
(میل اور میں)

### شوخی بیان:

مزاح پطرس کی فطرت میں شامل تھا۔ انہوں نے زندگی کا مشاہدہ مزاح کی عینک سے کیا، ان کی تحریروں میں طنز کی ذہر ناکی نہیں اور نہ تمسخر کا رنگ۔

بقول ڈاکٹر سید عبداللہ:

”پطرس نے اردو ادب کو لازوال تبسم عطا کیا جو ہمیشہ اسکے لبوں کھلتا رہے گا۔“

مثلاً:

”اتنے میں ہال میں سناٹا چھا گیا۔ سب لوگ میری طرف دیکھ رہے تھے۔ میں نے اپنی آنکھیں بند کر لیں اور سہارے کے لیے میز کو پکڑ لیا، میرا دوسرا ہاتھ بھی کانپ رہا تھا تو وہ بھی میں نے میز پر رکھ دیا، اس وقت ایسا محسوس ہو رہا تھا کہ میز بھاگنے کو ہے اور میں میز کو تھامے کھڑا ہوں۔“  
(مریدوں کا بچہ)

### مغربی مزاح کے اثرات:

پطرس کے اسلوب اور مزاح نگاری پر انگریزی ادب کے اثرات بہت نمایاں ہیں وہ اپنی تحریروں میں مزاح پیدا کرنے کے لئے تمام حربوں سے کام لیتے تھے جو مغربی مزاح نگاری کا خاصہ ہیں۔

بقول آل احمد سرور:

”مغرب کا اثر پطرس کے ہاں ایک ایسا عالمگیر رنگ میں ظاہر ہوا ہے جو ذرا بھی گراں نہیں گزرتا۔“

### فنکارانہ مصوری:

پطرس اپنی تحریروں میں مصوری کا جادو جگاتے ہیں، ایسا محسوس ہوتا ہے کہ وہ خود تماشہ بھی ہیں اور تماشا بھی۔

مثلاً:

”ابھی کل ہی کی بات ہے کہ رات کے گیارہ بجے ایک کتے کی طبیعت گد گدائی تو سامنے سڑک پر مصرعہ کہہ دیا ایک آدھ منٹ بعد سامنے بچکے میں ایک کتے نے مطلع عرض کر دیا اب تو جناب ایک کہنہ مشق استاد کو غصہ آیا تو حلوائی کے چولھے سے باہر نکلا اور بھنا کر ایک پوری غزل مقطع تک کہہ ڈالی۔“

### مبالغہ آرائی:

پطرس مزاح پیدا کرنے کے لئے مبالغے سے بھی کام لیتے ہیں جن سے ان کی تحریروں میں شوخی اور لطافت پیدا ہو جاتی ہے۔



”اور ہر ہم چاری نے جگانا شروع کیا، میں کیا میرے آباؤ اجداد کی روحیں اور قسمت خواہ وہ ماگ اٹھی ہو گی۔“

### تحریف نگاری:

پطرس کو تحریف نگاری کے فن میں کمال حاصل تھا، تحریف نگاری اس کو کہتے ہیں کہ کسی تصنیف کی اس کی نقل کی جائے کہ اس کی کیفیت وہی رہے لیکن الفاظ کے بدلنے سے معنی بدل جائیں۔

مثلاً: کتاب نے عرض کیا تھا:

کہوں کس سے میں کہ کیا ہے شبِ غمِ بری بلا ہے  
مجھے کیا برا تھا مرنا اگر ایک بار ہوتا

پطرس کی تحریف کے بعد:

کہوں کس سے میں کہ کیا ہے سبِ رہِ بری بلا ہے  
مجھے کیا برا تھا مرنا اگر ایک بار ہوتا

### وقت کو بدفہم بنانا:

پطرس نے زیادہ تر تحریروں میں کسی اور کو اپنے مزاج کا نشانہ نہیں بنایا، وہ اپنے آپ کو طنز و مزاح کا نشانہ بناتے ہیں، اسکی واضح مثال اس میں پڑھنے میں ایک میاں ہوں اور میبل اور میں ہیں۔

مہر نیڈنٹ صاحب جو کسی زمانے میں ہمارے ہم جماعت رہ چکے تھے کو لکھ بھیجا کہ جب ہاسٹل میں آئیں فلاں فلاں  
مرعات کو توقع رکھیں گے۔“

### ماصل مطالعہ:

احمد شاہ پطرس بخاری کی مختصر کتاب مضامین پطرس قامت میں تو کم ہے مگر ایک انمول رتن ہے جسکی کوئی قیمت نہیں لگائی جاسکتی اور اگر کہیں ایسا جوہر شاس مل بھی گیا تو کہاں سے اتنی بھاری قیمت عطا کرے گا۔ الغرض پطرس نے مزاج نگاری کو ایک نئے اسلوب سے روشناس کر دیا اور اسے تاریخ میں امر کر دیا۔

بقول شوکت تھانوی:

”اگر ایک پلڑے میں اردو ادب کا سارا مزاجیہ ادب (اکبر کی شاعری کو چھوڑ کر) اور دوسرے میں

مضامین پطرس کو رکھ دیا جائے تو پطرس والا پلڑا بھاری ہو گا۔“



## علامہ شبلی نعمانی

مجھے سر کے اتنا بڑا کام شبلی  
بنے قوم کے حق میں انعام شبلی  
حقیقت، صداقت، فصاحت، بلاغت  
میں سب تو بتا ہے اک نام شبلی

### حالاتِ زندگی:

علامہ شبلی نعمانی ۱۸۵۷ء میں اعظم گڑھ یو۔ پی۔ میں پیدا ہوئے۔ آپ سرسید کی اصلاحی تحریک سے بہت متاثر تھے۔ ان ہی کی فرمائش پر آپ نے لاتعداد اصلاحی، تحقیقی اور تاریخی مضامین تحریر کئے۔ بطور استاد آپ نے کافی عرصے تک علی گڑھ کالج میں خدمات انجام دیں۔ آپ نے لکھنؤ میں مدرسہ ندوۃ العلماء اور اعظم گڑھ میں ادارہ دارالمصنفین قائم کیا۔ آپ نے اپنی زندگی کے آخری سال میں سیرت النبی ﷺ لکھنے کا آغاز کیا لیکن زندگی نے مہلت نہ دی۔ ابھی آپ دوسری جلد تحریر کر رہے تھے کہ آپ کا انتقال ہو گیا۔ آپ کے اس نامکمل کام کو آپ کے ہونہار شاگرد سید سلیمان ندوی نے پایہ تکمیل تک پہنچایا۔ آپ کا شمار اردو ادب کے عناصرِ خمسہ میں کیا جاتا ہے۔

آپ کے استاد مولوی فاروق احمد آپ کی ذہانت دیکھ کر کہا کرتے تھے:

"میں شیر ہوں اور یہ شبلی یعنی شیر کا بچہ"

### چند اہم تصانیف:

- شعر الجعم
- مقالاتِ شبلی
- المامون
- الفاروق
- سیرت عائشہؓ
- سیرت النبی ﷺ
- موازنہ انیس و دہر
- الغزالی
- دیوانِ شبلی

## طرزِ تحریر کی خصوصیات

### جوشِ بیان:

شبلی کی تحریریں بظاہر تو ہلکی پھلکی معلوم ہوتی ہیں لیکن ان میں جوشِ بیان اپنی پوری آب و تاب کے ساتھ جلوہ گر ہوتا ہے۔ انکی تحریروں کو پڑھ کر جذبات میں ہیجان پیدا ہوتا ہے اور قاری میں کچھ کر گزرنے کی سوچ پیدا ہوتی ہے۔

مثلاً:

"سیرت النبی ﷺ" میں آنحضرتؐ کی ولادت کے موقع پر انہوں نے جو اندازِ تحریر اختیار کیا، اس میں نہ صرف شبلی کا جوش اور ولولہ نظر آتا ہے بلکہ قاری کے دل کی دھڑکن بھی تیز ہو جاتی ہے۔



شبلی نعمانی سرسید کے مکتبہ فکر سے اعمال رکھتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ ان کی تحریریں میں بھی واضح و باریک بینی نظر آتی ہے۔ ان کا نصب العین یہ ہے کہ مسلمانوں کی تاریخ اور تہذیب کو نئے لوگوں کے سامنے اس انداز سے پیش کیا جائے کہ ان کے دل میں اچھے فطری کے متعلق احساس فخر پیدا ہو اور وہ اپنے مستقبل کو بہتر بنانے کی طرف متوجہ ہوں۔

### عقلیت پسندی:

سرسید کی صحبت نے شبلی میں عقلیت پسندی کے رجحانات کو گہرا کر دیا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ شبلی تحریریں لکھ کر اس طرح طبعاً طور پر لکھ لیتے ہیں کہ قاری ان کے نقطہ نظر کو تسلیم کرتے ہوئے کسی نتیجے پر پہنچ جاتا ہے۔

بقول ڈاکٹر عابد حسین:

”شبلی نے منطقی فکر کو شاعرانہ خیال میں سمو کر ایسا دلکش اسلوب ایجاد کیا جس نے ان کی تحریر کی اثر کو بہت وسیع کر دیا۔“

### ایجاز و اختصار:

شبلی اختصار پسند ہیں وہ دریا کو کوزے میں بند کرنے کا فن جانتے ہیں۔ ان کے پھولے پھولے اور مختصر جملوں میں بلاغت کی شان پائی جاتی ہے اور ایک جہان معنی پوشیدہ ہوتا ہے۔

مثلاً:

”ساتویں صدی کا جہن اپنے ہلبلوں زمر موموں سے کوچ رہا تھا“

### شاعرانہ رنگ:

شبلی فطری طور پر ایک شاعر تھے۔ قدرت نے انہیں شاعروں کا دل اور یونانی فلاسفوں کا دماغ عطا کیا تھا۔ انہوں نے تسبیح و تہلیل سے کئی غزلیں بھی لکھیں۔

ڈاکٹر سید عبداللہ کے بقول:

”ان کی اکثر کتابوں کا آغاز ہی شعروں سے ہوتا ہے۔ وہ تشبیہات و استعارات سے نثر کو رنگین بناتے ہیں۔“

مثلاً:

”اس زمانے میں تاتاری کا دمر صرصر نے امن و امان کا شیرازہ اتر کر دیا تھا۔ ترک شجاع تھے، شجاع تر ہو گئے۔ ایرانی تہذیب میں ممتاز تر ہو گئے۔ یوں معلوم ہوتا ہے جیسے کوئی فوج دو دو سپاہیوں کی قطار میں مارچ کر رہی ہو۔“

### محاورات کا استعمال:

شبلی محاوروں کے استعمال میں ملکہ رکھتے ہیں۔ لہٰذا نذیر کی طرح وہ محاورات کو عبارت کا عیب نہیں مانتے دیتے۔ بر محل محاورات کے استعمال سے ان کے تحریروں میں ادبی چاشنی آگئی ہے۔

بقول سید عبداللہ:

”ان کے محاورات لہٰذا نذیر کی طرح نہیں آتے کہ ایک ہی صفحے میں پڑھنے والے کے دانت کھٹے کر دیں یہاں تو اس قدر باہرہ ہوتے ہیں کہ زبان میٹھی رہتی ہے۔“



### طنز یہ انداز:

علامہ شبلی کی تحریر کو ایک لطیف قسم کا طنز بہت زیادہ ہے اثر بنانا ہے مگر ان کے طنز میں بھی ایک وقار اور شان دکھائی دیتی ہے۔ ان کے طنز کا اصل نشانہ دین سے بگاڑا المراد اور ان کے ٹاڈے اور چٹین منہ صوبہ مذکور ٹھکانے ہیں۔

مثال:

”اگر وہاں کی عجیب و غریب قلم نویسوں کی لہر ست تیار کی جائے تو اس میں یورپ اور مذکور ٹھکانے یورپ کی قلم نویسوں کو سب سے اونچے درجے پر رکھنا پڑے گا۔“

### مدلل، مستند اور مستحکم انداز:

شبلی کا اسلوب محققانہ ہے۔ وہ ہر روایت کو تحقیق کی کسوٹی پر پرکھتے ہیں۔ تنقید ہو یا سوانح نگاری، مذہبی مباحثہ ہو یا تاریخ نویسی وہ کسی جگہ تحقیق سے دستبردار نہیں ہوتے۔ ایک نقاد کے بقول:

”واقعات کی پیمائش اور تاریخی مواد کی تحقیق و تلاش جیسا فلسفیانہ پن ان کی فطرت میں رچ بس گیا ہے جو ان کے اسلوب میں اپنے کرمے دکھاتا نظر آتا ہے۔“

مثال:

سیرت النبیؐ سے متعلق شبلی اظہار خیال کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

”اب یہ روپیہ نہیں میری جان کا معاملہ ہے۔ ہر حالت میں میں کام جاری رکھوں گا اور اگر مرنے گیا اور ایک آنکھ بھی سلامت رہی تو انشاء اللہ دنیا کو ایسی کتاب دے جاؤں گا جسکی توقع کئی سو برسوں تک نہیں ہو سکتی۔“

### ثقافت نگاری:

شبلی کا اسلوب خوبصورت اور انتہائی ثقافت ہے۔ اگرچہ شبلی تخیلات کو حسن خوبصورتی عطا کرنے کیلئے تشبیہات و استعارات اور علمی اصطلاحات کا کثرت سے استعمال کرتے ہیں لیکن وہ تحریر کی ثقافتی کو کسی طرح مجروح نہیں ہونے دیتے۔ انہوں نے ثابت کر دیا ہے کہ محسوس علمی حقائق کو بھی ثقافت ادبی زبان میں ادا کیا جاسکتا ہے۔

### جامعیت:

شبلی کی تحریریں جامعیت کی عمدہ مثال ہیں۔ ان کو الفاظ کے بر محل اور بر موقع استعمال پر ایسی قدرت حاصل ہے کہ ان کی تحریر سے کوئی لفظ نکال کر دوسرا نہیں لگایا جاسکتا۔ ان کی تحریر میں الفاظ کا انتخاب اور ان کا استعمال جوہری کے گمینوں کی طرح ہے۔ وہ الفاظ کے موتی پختے اور موتی ہی پروتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ان کی تحریریں عقلیت اور جامعیت کے اعلیٰ منصب پر فائز نظر آتی ہیں۔

### نقادوں کی رائے:

ڈاکٹر خورشید الاسلام کے بقول:

”شبلی کے قلم میں وہ زور ہے جو آبشاروں میں پایا جاتا ہے۔“

ڈاکٹر عابد حسین کے بقول:

”شبلی شاعرانہ دل اور فلسفیانہ دماغ لے کر پیدا ہوئے۔“



ابوالحسن علی کے بقول:

”کاش مجھے اللہ تعالیٰ کی عبادت میں جو تحریر لکھنا نصیب ہو جائے۔“

سید احمد خان کے بقول:

”ایسی مصافحہ دشت اور برکت عبادت ہے کہ دلکی باتوں کو بھی رکھ آجھو گد۔“

مہدی آبادی کے بقول:

”وہ پہلا یونانی ہے جو مسلمانوں میں پیدا ہوا۔“

### حرف آخر:

علامہ شبلی نے فرید احمد جوتے ہوئے کئی اداروں سے زیادہ کام کیا۔ انہیں ”جامع العلوم“ کا لقب دیا گیا ہے۔ ان کی تصانیف  
بمیان کے حراج اور ان کی تحریر کی رنگارنگی کو ظاہر کرتی ہیں۔ قسطنطنیہ، حراجِ دہاں، سیرت نگار اور سلاست و سلاوگی جیسی شاہکار ہیں وہی شبلی پور  
عالم با عمل جیسی تحریریں اردو کا وقار۔

# مولانا الطاف حسین حالی (بحیثیت نثر نگار)

## حرفِ تعارف:

شرافت، مروت، محبت کا پیکر  
کہ قصیں خوبیاں جس کی اک اک سے بڑھ کر  
سوچ کا ادب کا کچھ ایسے مقدر  
ملا اس کو حالی کی صورت میں رہبر

الطاف حسین حالی ایک جامع کمالات شخصیت کے مالک تھے۔ وہ شاعر بھی تھے اور نثر نگار بھی، ادیب بھی تھے اور انشاء پرداز بھی۔  
سوانح نگار بھی تھے اور نقاد بھی۔

## حالاتِ زندگی:

پانی پت کے ایک علمی گھرانے میں پیدا ہونے والے حالی نے پریشانیوں کے باوجود تعلیم کا دامن نہ چھوڑا۔ غالب جیسے سخن طراز اور  
شیفتر جیسے سخن شناس اہل ادب کی صحبتوں نے انکی صلاحیتوں کو خوب چمکایا۔ پھر لاہور آئے اور ایک سرکاری بک ڈپو میں ملازم ہو گئے۔ کچھ  
عرصے بعد یہ ملازمت چھوڑ کر جب وہ دوبارہ دہلی پہنچے تو ان کی ملاقات سر سید احمد خان سے ہوئی۔ وہ سر سید کی تحریک سے اتنے متاثر ہوئے کہ اسی  
کے ہو کر رہ گئے۔ یہ تحریک ان کا اوڑھنا بچھونا بن گئی اور ان کی ساری صلاحیتیں اسلام، ادب اور اصلاحِ معاشرہ کے لئے وقف ہو گئیں۔  
بقول مولوی عبدالحق:

”انیسویں صدی میں کسی شخص نے ہماری زبان پر اتنے گراں قدر احسانات نہیں کئے جتنے حالی نے“

## چند اہم تصانیف

- مقالاتِ حالی
- حیاتِ سعدی
- مجالس النساء (ناول)
- یادگارِ غالب
- کلیاتِ حالی (نثر)
- حیاتِ جاوید
- مقدمہ شعر و شاعری
- کلیاتِ حالی (قلم)
- مسدس بدو جزیر اسلام

## طرزِ تحریر کی خصوصیات

## تنقید نگاری:

مولانا حالی کی تنقیدی کتاب کا نام ”مقدمہ شعر و شاعری“ ہے اور اس کتاب کو ڈاکٹر سید عبداللہ نے اردو کی اولین با اصول تنقیدی  
کتاب قرار دیا ہے۔ اس کتاب میں تنقید کے وہ اصول بیان کئے گئے ہیں جن کی اہمیت آج کے جدید دور میں بھی تسلیم کی جاتی ہے۔  
ڈاکٹر ابوالیث صدیقی کہتے ہیں:

”مقدمہ شعر و شاعری کو اردو شعر و ادب کی تنقید میں وہی مقام حاصل ہے جو مغربی تنقید کی  
تاریخ میں ارسطو کی ”بوطیقا“ کو حاصل تھا۔“



ڈاکٹر حسین سہروردی کہتے ہیں:

”وہ ہماری شاعری کے موجد اور تنقید کے مجتہد ہیں۔“

### سوانح نگاری:

اردو ادب میں باقاعدہ سوانح نگاری کی ابتدا ہوتی ہے۔ ابتدا کرنے کے باوجود انہوں نے اس صنف ادب کے بہترین نمونے پیش کیے۔ آپ نے ان شخصیات کا انتخاب کیا جو علم و ادب میں اپنی مثال آپ تھیں۔ ان کی تصنیف حیات جاوید ایک مفصل اور جامع کتاب ہے۔  
طامہ شبلی نعمانی کہتے ہیں:

”یہ ایک دلچسپ، محققانہ اور بے خصل سوانح مری ہے۔“

### مدعا نگاری:

حالی کی تحریروں میں مبالغہ آرائی کا رنگ نہیں ہوتا۔ انہوں نے جس مضمون پر قلم اٹھایا ہے اس کے مطالب کو کم سے کم رنگ آمیزی کے ساتھ پیش کیا ہے۔ وہ بڑے سچے، دیانت دار مدعا نگار تھے۔  
ڈاکٹر سید عبداللہ لکھتے ہیں:

”حالی کو اپنے زمانے کا سب سے بڑا مدعا نگار کہا جاتا ہے۔“

### سادگی و سلاست:

سر سید کی طرح حالی کی تحریروں میں آمد کا دریا ٹھاٹھیں مارتا نظر آتا ہے۔ حالی نے اپنی نثر میں سلاست و فصاحت کے دریا بہا دیے۔  
اس کے بہاؤ میں سبک رفتاری کا سا انداز پیدا ہو جاتا ہے جو قاری کو اپنے ساتھ بہائے لے جاتا ہے۔  
عابد حسین کے بقول:

”بیان کی سادگی اور صفائی، زبان کی سلاست، نرمی اور دھیماپن اور گھاٹ حالی کا حصہ ہے۔“

### خلوص اور سچائی:

خلوص اور سچائی کا جو ہر حالی کی زندگی، انکی نثر اور انکی شاعری میں ہر جگہ جھلکتا ہے۔ حالی نے خلوص و سچائی کی وہ کیفیت پیدا کر دی ہے کہ ”بات دل سے نکلتی ہے اور دل میں جا بیٹھتی ہے“۔ وہ خیال کو حقیقت کی زبان میں ادا کرتے ہیں۔  
بقول ڈاکٹر وحید قریشی:

”حالی کی تحریر میں تکلف نہیں اس کی جگہ خلوص و سچائی ہے۔“

ان کا یہ شعر ان کی نثر پر بھی پورا اترتا ہے۔

اے شعر و لہریں نہ ہو ٹو، تو غم نہیں  
پر تجھ پہ حیف ہے جو نہ ہو دل گداز ٹو

### مستلال:

سر سید کی طرح حالی ایک مصلح کی حیثیت سے اس خوبی کے حامل ہیں کہ وہ اپنی بات کو قاری سے دلیل کی روشنی میں منوانا چاہتے ہیں نہ کہ حقیقت مند ہی ہیں۔

بقول ڈاکٹر عبد اللہ کہتے ہیں: ”حالی کی استدلالت اور عقلیت مشترک رنگ کی حیثیت سے موجود ہے۔“  
 ”حالی کی استدلالت اور عقلیت مشترک رنگ کی حیثیت سے موجود ہے۔“  
 ”حالی کی استدلالت اور عقلیت مشترک رنگ کی حیثیت سے موجود ہے۔“  
 ”حالی کی استدلالت اور عقلیت مشترک رنگ کی حیثیت سے موجود ہے۔“

### انگریزی الفاظ کا استعمال:

سر سید کہتے ہیں:

”دوسری زبان کے الفاظ کو اپنی زبان میں بولنا کبھی مہارت کا لطف بڑھانے کیلئے ہوتا ہے،  
 کبھی اپنی زبان کو وسعت دینے کے لیے۔“

حالی سر سید کے اس موقف کے زبردست حامی تھے۔ حالی نے اپنی نثر میں ہندی کے علاوہ انگریزی الفاظ کی بھی بے حد کاری کی ہے۔  
 نمونہ تحریر:

مضمون اسلام میں گداگری کی مذمت میں تحریر کرتے ہیں:

(الف) اگر کوئی فلاسف یا اکانومسٹ اس مطلب کو بیان کرتا۔

(ب) حدیث کے الفاظ جسطرح مذکورہ بالا سوشل اور موزل خرابیوں کو شامل ہیں۔

### حقیقت نگاری:

حالی نے حقیقت کا دامن ہاتھ سے کبھی نہیں چھوڑا۔ جھوٹ، مبالغہ یا غلط بیانی سے اپنے قلم کو کبھی آلودہ نہیں کیا۔ مقصدیت اور توازن  
 نے ان کی تحریر کو داغ دار ہونے سے ہمیشہ بچایا۔ اس کی سب سے بڑی مثال یہ ہے کہ وہ سر سید سے بہت متاثر تھے مگر حقیقت نگاری کرتے  
 ہوئے وہ ان سے بھی اختلاف کر لیتے تھے۔  
 ایک جگہ لکھتے ہیں:

”سر سید کی طبیعت ڈسپانک تھی یعنی آمرانہ۔“

### مقالہ نگاری:

حالی کے مقالات کو موضوع کے لحاظ سے کئی حصوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔ مگر اس کا پہلا اور بنیادی مقصد سر سید اور ان کے مقصد  
 کی تبلیغ اور جدید نظریے کی ترجمانی ہے، جس میں مسلمانوں کے سیاسی، سماجی، صنعتی اور تعلیمی شعور کو بیدار کرنا اور نئی تعلیم کو فروغ دینا شامل ہے،  
 جبکہ مقالات کا دوسرا حصہ تبصرے، خطابات، کانفرنس اور جلسوں کے لیکچروں پر مشتمل ہے۔  
 آل احمد سرور فرماتے ہیں:

”حالی نے کام کی زبان میں کام کی باتیں بتائیں۔“

### سر سید کا اثر:

حالی کے متعلق عام خیال یہ ہے کہ ان کے خیالات سر سید کی آواز کی بازگشت ہیں اور اس نسبت سے ان کا اسلوب بھی سر سید سے بہت  
 زیادہ متاثر تھا۔ بلاشبہ حالی کے اسلوب میں سر سید کی بعض باتیں ملتی ہیں، جیسے سادگی، منطق، اور اظہارِ بیاں کی بے تکلفی۔  
 بقول مہدی آقادی:

”سر سید کے انداز کی سب سے کامیاب تصویر حالی تھے۔“

آل احمد سرور کہتے ہیں:



"مکان کے بغیر سر سے لگا دیا، لے کر (میں نے) لٹرائی ہے۔"

فصل کی رائے

میں نے یہ لکھا

"میں نے کوئی اور لکھ کر حقیقت پرانے زمانہ اور مناسب طرز و انداز کا خطاب دے سکا ہے۔"

میں نے یہ لکھا

"میں نے اس کتاب میں بہت صاف اور سادہ ہے اور جس مقامی اور مقامی کو شاعری اور شاعری کے لیے ضروری لکھا ہے۔"

اسے نثر نگاری کے لئے بھی لازمی ہوتا ہے۔"

میں نے یہ لکھا

"میں نے اس کتاب میں بہت صاف اور سادہ ہے اور جس مقامی اور مقامی کو شاعری اور شاعری کے لیے ضروری لکھا ہے۔"

میں نے یہ لکھا

"میں نے اس کتاب میں بہت صاف اور سادہ ہے اور جس مقامی اور مقامی کو شاعری اور شاعری کے لیے ضروری لکھا ہے۔"

میں نے یہ لکھا

"میں نے اس کتاب میں بہت صاف اور سادہ ہے اور جس مقامی اور مقامی کو شاعری اور شاعری کے لیے ضروری لکھا ہے۔"

میں نے یہ لکھا

"میں نے اس کتاب میں بہت صاف اور سادہ ہے اور جس مقامی اور مقامی کو شاعری اور شاعری کے لیے ضروری لکھا ہے۔"

"میں نے اس کتاب میں بہت صاف اور سادہ ہے اور جس مقامی اور مقامی کو شاعری اور شاعری کے لیے ضروری لکھا ہے۔"

بجز ان سال فرس اپنی بے لوری پہ روتی ہے

بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ و رہید ا